ARMAGHAN
VOLUME 4 2023 (JUNE)
ISSN (Print): 2707-6288 | **ISSN (Online):** 2788-8255
Journal Homepage: http://armaghan.wum.edu.pk

علّامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کے فکری اِشتراکات

Ideological similarities between Allama Iqbal and Maulana Abul Kalam Azad

جاوید اقبال جاوید،
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو / ڈپٹی ڈائریکٹر، شعبہ مطبوعات، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
تحقیقی مقالہ برائے پوسٹ ڈاکٹریٹ ریسرچ فیلوشپ

Javed Iqbal Javed
Assistant Professor, Department of Urdu
Deputy Director University Publications, Lahore Leads University, Lahore
Research Article of Post Doctoral Research Fellowship

Abstract:

Allama Iqbal and Maulana Abdul Kalam Azad were far-sighted and futuristic thinkers. Both of them gave special importance to the importance and necessity of education trendy their philosophy. He urged to benefit from Eastern education as well as modern Western education. But education and training of human beings is emphasized. Training is connected with education in the minds of both. Training is the same. They need to be harmonious like life and body. Allama Iqbal and Abul Kalam are similar to each other in terms of the independent concept of the universe, but in terms of their individuality, both have different aspects.I became self-sufficient and their moral and social development also flourished. It is clear from the writings of Allama Iqbal and Maulana Abdul Kalam Azad that their writings bear a deep resemblance to the religion of love. Both agree that religion reveals all the mysteries and secrets of love.

Keywords:

Allama Iqbal, Moulana Abdul kalam Azad, philosophy, human beings, harmonious, consciousness, self-sufficient, resemblance, mysteries

© 2023 The Authors, Published by WUM. This is an Open Access Article under the Creative Common Attribution Non Commercial 4.0.

حیات اور کائنات دو اہم جزو ہیں جن کے بارے میں بسا اوقات عام اور معمولی ذہنیت رکھنے والے افراد بھی متفکر ہو جاتے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ ایک مفکر حیات اور کائنات کے رموز کو شعوری سطح پر نہایت سنجیدگی سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ حیات اور کائنات کے متعلق پیدا ہونے والے مختلف قسم کے سوالات کے متناسب اور متوازن جوابات تلاش کرنے کی جستجو اور جدوجہد میں محو رہتا ہے۔ مشاہدہ کائنات، مطالعہ فطرت، دلیل و براہین اور تجربۂ حیات اس حوالے سے راہیں ہموار کرنے میں مددگار اور معاون ثابت ہوتے ہیں، اس طرح وہ تمام مراحل سے گزرتا ہوا مفکروں کی صف اول میں نظر آتا ہے۔ علامہ محمد اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کا شمار ان مفکرین میں ہوتا ہے جو اس صف میں سر فہرست ہیں۔ علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد حیات اور کائنات کے معاملات سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ مذہبی، سیاسی، تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی، ادبی و علمی جیسے تمام معاملات میں ان کی طائرانہ نظریں مرکوز رہیں۔ یہ دونوں مفکر تفکر، تدبر، منطقی استدلال، جامعیت اور انفرادیت کے ساتھ اپنی نگارشات منظر عام پر لاتے رہے۔

علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد دونوں ہی ایک ایسے دور سے تعلق رکھتے ہیں جس نے ان کو مردانہ لب ولہجہ عطا کیا۔ یہ دور نرم و شیریں زبان و بیان کا قائل نہیں تھا بلکہ تلخ پسندی اور تلخ نوائی کا دور تھا۔ اسی دور نے دونوں کو پر شوکت، پر وقار اور پر شکوہ طرزِ گفتاری سے نوازا۔ دونوں کے ادب پارے سے انسان کی فلاح و بہبود کی ترجمانی ملتی ہے۔ ادیب اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وہ تڑپتی ہوئی انسانیت کے قلب و نظر، دکھ، درد اور نشیب و فراز کے پیش نظر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اپنے عہد سے وہ مطمئن نظر نہیں آتا اور ایک نئے عہد کی تعمیر اور ترقی و ترویج میں خلوص نیت کے ساتھ کوشاں رہتا ہے۔ ادبی تاریخ کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عموماً ایک ہی دور سے تعلق رکھنے والے تخلیق کاروں کا ذہنی رویہ، سوچ، خیالات اور اسالیب ایک دوسروں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں، اس کے باوجود معاصر عبقری ذہن کے حامل افراد کے درمیان موجود اشتراک پر مشتمل ذہنی و فکری رشتوں کے ارتباط کی تلاش و جستجو سے روگردانی اختیار نہیں ہو سکتے۔

علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام دونوں کے اندر مملکتِ اِسلامیہ کے وجود اور بقا اور خوش حالی کا سوز اور تڑپ بدرجہ اتم موجود تھی۔ انھوں نے نہ صرف فکر و عمل یا اتحاد مملکت کو آفاقی دستور تسلیم کیا بلکہ وہ برعظیم ایشیا کے نشاۃ ثانیہ کے طائرِ بہار بن کر نغمہ خواں ہیں۔ دونوں مفکرین نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر تک حرم کی پاسبانی کا اعلان کرتے ہیں۔ وہ اپنی قوم کو مغربی غلامی سے نجات دلانے کے شدید خواہش مند ہیں۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ان کے اندر احتجاج اور انقلاب کے جنوں کی کیفیت موجود ہے۔ علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد آزاد ماضی کو پیش نظر رکھتے ہوئے حال و مستقبل کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کرنے کی کوشش کہ تاکہ دنیا میں دوبارہ خلافت کی بنیاد اور وجود استوار ہو سکے۔ دونوں نہ صرف بے پناہ قوتِ تخلیق کے مالک ہیں بلکہ اکتسابی عرضِ ہنر اور وہبی کی جوہری طاقت اور احساس و جذبہ سے سرشار ہیں۔ دونوں کی زندگیوں کا گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کرنے سے علم ہوتا ہے کہ وہ حیرت انگیز شخصیت کے کئی پہلو رکھتے ہیں۔ ان دونوں شخصیات کی ادبی، مذہبی، فکری، سیاسی، علمی اور ادبی خدمات کے غائرانہ مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دونوں مفکر مذہب کے شدت سے پیروکار تھے۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ کے مطابق:

> ”غور سے دیکھیے تو ابوالکلام آزاد اور اقبال کے مقاصد اور نصب العین بھی کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ یہ دونوں بزرگ اتحادِ اسلام تحریک کے علم بردار تھے دونوں ملتِ اِسلامیہ اور خلافتِ اسلامیہ کے داعی تھے دونوں جہاد اور سر فروشی کے مبلغ تھے۔ عمل، حسن عمل اور عشق و جنوں دونوں کا محبوب عقیدہ تھا۔“ (۱)

جہاں تک علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار وخیالات اور نظریات وتصورات میں مماثلت اور مغائر کا تعلق ہے۔اس حوالے سے قرآن، خدا، عشق، قومیت و وطنیت، جمہوریت، کائنات اور انسان، مغربیت، اجتہاد، تشخص کا مسئلہ، تعلیم، سیاست، تصورِ آزادی، تصور انسانیت اور فرد وجماعت کے علاوہ کئی پہلو ہیں جس کے باعث دونوں کے یہاں اشتراک وافتراق کے عوامل ملتے ہیں۔

علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکارو خیالات اور تصورات و نظریات میں تعلیماتِ قران و حدیث کے مندرجات موجود ہیں۔دونوں مفکرین نے قرآن پاک اور احادیث کو اساس بنا کر اپنے اپنے نظام فکر کو پیش کیا۔دونوں کی تعلیمات میں قرآن وحدیث کی عکاسی ملتی ہے ۔غور وفکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں کے نظام فکر کا محور قرآن مجید ہے۔علامہ اقبال فارسی اور اُردو کلام کے ساتھ ساتھ خطبات میں بھی جابجا قرآنی آیات کے ذریعہ سے اپنے افکاروخیالات کی ترسیل کرتے ہیں۔علامہ اقبال کے انگریزی خطبات جو مدارس میں دیے گئے تھے،سید نذیر نیازی کی کوشش سے اُردو میں منتقل کیے جاچکے ہیں۔ان خطبات کے دیباچے میں علامہ اقبال لکھتے ہیں:

> ”قرآن پاک کا یہ رجحان زیادہ واضح اس طرف ہے کہ فکر کے بجائے عمل پر زور دیا جائے۔یوں بھی بعض طبائع میں قدر تاًیہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ واردتِ باطن کی اس مخصوص نوع کو جو مذہب کے لیے ایمان ویقین کا آخری سہارا ہے،ویسے ہی اپنے تجربے میں لائیں جیسے زندگی کے دوسرے احوال اور اس کائنات کو جسے ہم اپنے آپ سے بے گانہ پاتے ہیں،اپنے اندر جذب کرلیں۔رہا عہد حاضر کا انسان سو اُسے محسوس یعنی اس قسم کے فکر کی عادت ہوگئی ہے جس کا تعلق اشیا اور حوادث کی دنیا سے ہے،اور یہ وہ عادت ہے جس کی اسلام نے اور نہیں تو اپنے تہذیبی نشوونما کے ابتدائی دور میں حمایت کی۔لہٰذا وہ ان واردات کا اور بھی اہل نہیں رہا بلکہ انھیں شک و شبہے کی نظر سے دیکھتا ہے کیوں کہ ان میں وہم والتباس کی پوری پوری گنجائش ہے۔ صحیح قسم کے سلسلہ ہائے تصوف نے تو بے شک ہم مسلمانوں میں مذہبی احوال وواردات کی تشکیل اور راہ نمائی میں بڑی قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں لیکن آگے چل کر ان کی نمایندگی جن حضرات کے حصے میں آئی،وہ عصرِ حاضر کے ذہن سے بالکل بے خبر ہیں اور اس لیے وہ موجود دنیا کے اَفکار و تجربات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے۔وہ آج بھی انھی طریقوں سے کام لے رہے ہیں جو اُن لوگوں کے لے وضع کیے گئے تھے جن کا تہذیبی مطمحِ نظر بعض اہم پہلوؤں کے لحاظ سے ہمارے مطمحِ نظر سے بڑا مختلف ہے۔“ (۲)

اسی طرح مولانا عبدالکلام آزاد کی تحریروں سے ٹھوس ثبوت ملتے ہیں کہ انھوں نے بھی قرآن پاک کو ہی اپنا ہادی وراہ نما بنایا۔اُنھوں نے ”الہلال“اور”البلاغ“کے ذریعے قوم کو نورِ بصیرت کے حصول کا راستہ بتایا۔

علامہ اقبال اور مولانا عبدالکلام آزاد کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی تحریروں میں مذہب عشق کی گہری مماثلت ملتی ہے۔دونوں اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ مذہب عشق سے ہی تمام اسرار ورموز سے پردہ اٹھتا ہے۔علامہ اقبال اس بات کا یوں برملا اظہار کرتے ہیں:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
عقل فرمودۂ قاصد سے سبک گامِ عمل

عقل سمجھی ہی نہیں معنیِ پیغام ابھی
شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی
تو ہے زُناریِ بُت خانۂ ایام ابھی (۳)

مزید لکھتے ہیں:

عشق کی اِک جَست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں
کہہ گئیں رازِ محبت پردۂ داریِ ہائے شوق
تھی فغاں وہ بھی جسے ضبطِ فغاں سمجھا تھا میں (۴)

عشق کی اسی ایک جست کے حوالے سے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"اصل میں منزلیں تین ہیں۔ ہوس، عشق، حقیقت۔۔۔ اول و آخر جو کچھ ہے عشق ہی ہے۔۔۔ لیکن عجب نہیں کہ کسی کے بام تک پہنچنے کے لیے یہی زنجیر کمند کا کام دے جائے۔ کتنے ہی راہ کے خوش قسمت ہیں جن میں سیڑھیوں کا یک ایک زینہ نہیں گنوایا گیا۔ کمند عشق نے ایک ہی جست میں قصرِ مطلوب تک پہنچا دیا۔" (۵)

ڈاکٹر سید عبداللہ، علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کے مذہب عشق کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

بہ ہر حال ابوالکلام اور اقبال دونوں کے اعتقادی مسلک میں عشق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اگر کچھ فرق ہے تو یہ کہ اپنے نمونے اہلِ طریقت سے حاصل کیے ہیں مثلاً رومیؔ و سنائی وغیرہ اور ابواکلام کے نمونے اہلِ دین میں سے ہیں۔ مثلاً امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ، حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ۔ اس سے یہ تو ظاہر ہو ہی جاتا ہے کہ ان کے درمیان تھوڑی حد تک وہ فاصلہ ضرور ہے جو مسجد خانقاہ میں ہونا چاہیے۔ ان میں سے ایک براہ راست مسجد سے فیض یاب ہو رہا ہے اور دوسرا براہِ راست خانقاہ سے استفادہ کرتا ہے، مگر جذبہ و جنوں کی حد تک دونوں مذہب عشق کے معترف و معتقد ہیں۔" (۶)

علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں کے مطالعہ سے یہ حقیقیت مترشح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے اپنے خیالات اور تصورات کی تشریح کے حوالے سے فلسفہ کے تین مسائل اور عقل انسانی کے تین مراحل یعنی خدا، انسان اور کائنات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اقبال کے نزدیک انسان اور کائنات کا باہمی ربط قرآن کا اعلیٰ شعور ہے۔ اقبال نے کائنات کے تغیر اور ارتقا پر بحث کرتے ہوئے انسان کو اشرف و اعلیٰ قرار دیا ہے۔ اقبال کی طرح آزاد بھی اس بات کے قائل ہیں کہ کائنات قانون تغیر و ارتقا کے راستے پر گامزن ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"کرۂ ارض کے موجودات میں جتنی چیزیں ہیں سب انسان سے نچلے درجے کی ہیں وہ ان کی طرف نظر نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے اوپر اجرام سماوی کی موجودات پھیلی ہوئی ہیں لیکن ان میں بھی کوئی ایسی نہیں جو اس کا نصب العین بن سکے۔۔۔۔۔۔۔ یہاں اس کے چاروں طرف پستیاں ہی پستیاں ہیں جو اسے انسانیت کی بلندی سے پھر حیوانیت کی

پستیوں کی طرف لے جانا چاہتی ہیں حالاں کہ وہ اوپر اُڑ جانا چاہتا ہے، اسے بلندیوں اور لا محدود بلندیوں کا ایک بام چاہیے، جس کی طرف وہ برابر دیکھتا رہے اور جو اسے ہر دم بلند تر ہوتے رہنے کا اشارہ کرتا رہے۔" (۷)

خدا، انسان اور کائنات کے حوالے سے اقبال اور آزاد دونوں کے خیالات ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

ایسی کوئی دُنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تختِ جم و کے
ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے (۸)

علامہ اقبال اور ابوالکلام آزاد تصور کائنات کے حوالے سے ایک دوسرے کے ہم نوا اور ہم نغمہ ہیں، مگر اپنی انانیت کے اعتبار سے دونوں جداگانہ پہلو رکھتے ہیں۔ اقبال کی انانیت اظہار جلال کے روپ میں ہے اور ابوالکلام آزاد شانِ جمال کے پیکر نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال کی طرح ابو اکلام آزاد بھی زندگی کے متحرک ہونے کے قائل ہیں۔ دونوں ہی انسان کی عظمت پر اتفاق کرتے ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا ماخذ کلام الہیٰ ہے۔ اقبال کے کلام میں ان کی خدا سے ہم کلامی انسانی عظمت کی غماز بن کے اُبھرتی ہے۔ اقبال لکھتے ہیں:

تری دُنیا جہانِ مرغ و ماہی
مری دُنیا فغانِ صبح گاہی
تری دُنیا میں، میں محکوم و مجبور
مری دُنیا میں تیری پادشاہی!(۹)

ابوالکلام آزاد کے نزدیک کائنات کی رنگینی و رعنائی وہی رد عمل پیدا کرتے ہیں جو محبوب کے خد و خال کا اثر عاشق کے دل کو متاثر کرتا ہے۔ ڈاکٹر عقیل ہاشمی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال خدا کی ہستی کے اثبات کے لیے یہ ناگزیر خیال کرتے ہیں کہ تخلیق کائنات کو پہلے نہ تمام ثابت کریں اور پھر انسان کے ہاتھوں تسخیر کروا کر اس کا اہتمام کرائیں اس کے برعکس آزاد کائنات کو اس درجہ سے حسین قرار دیتے ہیں کہ عدم تکمیل کے سب گوشے انسان کی نظر سے اس طرح اوجھل ہو جاتے ہیں جس طرح عاشق کی نظر میں محبوب کے رخ زیبا کا خال بلکہ یہ خال بھی اس کی آرائش و زیبائش کا مزید سامان بن جاتا ہے۔ اس جمال کائنات کی محویت اور مسحوری سے ابوالکلام خدا کے اثبات کا تعین کرتے ہیں، ابوالکلام کے ہاں کائنات از سر تا پا جمال ہی جمال اور انسان اپنی روح کے ساتھ اسی جمال کے نظارے میں اس قدر محو ہے کہ پھول میں رنگ و بو کے امتزاج کی طرح انسان اور کائنات کے جمال نے مل کر دوئی کی لو بھی مٹا دی ہے لیکن اقبال نے انسانی حسن کا کائنات کے حسن میں گم ہو جانا گوارا نہیں کیا۔ اس ناگواری کے ردِ عمل نے ان کے یہاں فنون لطیفہ

بلکہ تغزل کی شاعری تک مردود و مطعون قرار دیا، ابوالکلام آزاد کا تصور جمال خدا، کائنات اور انسان تینوں کا ایک وجود مطلق میں گم کر دیتا ہے۔"(۱۰)

علامہ اقبال اور ابوالکلام آزاد کے حوالے سے جب ہم اسلامی تشخص کی بات کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ اقبال محض مذہبی تشخص کی بات کرتے ہیں۔ بسا اوقات مسلم اکثریت کے علاقوں کے نام پر علاقائی تشخص کا احساس بھی ملتا ہے۔ جب کہ ابوالکلام آزاد ہندوستانی تشخص اور علاقائی تشخص پر زور دیتے تھے۔ اقبال نے ماضی کے ساتھ رشتہ جوڑے رکھنے پر زور دیا تھا۔ ان کے نزدیک ماضی کی اہمیت یہ ہے کہ یہی تشخص کی تشکیل کا ضامن ہے۔ اقبال نے اپنے اُردو مجموعہ کلام "ضرب کلیم" میں شامل نظم "مدنیت اسلام" میں اسلامی تشخص کو روح القدوس کے ذوق جمال کے ساتھ عجم کے حسنِ طبیعت اور عرب کے سوزِ دروں سے تعبیر کیا ہے۔ یہ واضح ہوتا ہے کہ اقبال اور ابوالکلام آزاد دونوں میں اسلامی تشخص پر اصرار مشترک ہے۔ وہ اس تشخص کو مجروح کرنے یا مدھم کرنے کے بھی سخت مخالف ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر آل احمد سرور لکھتے ہیں:

> "مولانا آزاد اور اقبال دونوں کے ذہن میں قومی تشخص، مسلم تشخص اور تہذیبی یا لسانی تشخص کا مسئلہ بالکل واضح تھا۔ تشخص کے ان ابعاد کو اس طرح قبول کرنا چاہیے، جس طرح ایک شخصیت میں مختلف اور بعض اوقات متضاد عناصر کی موجودگی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اقبال اور آزاد سیاسی میدان میں ایک دوسرے سے خاصے الگ ہونے کے باوجود اسلامی تشخص، تہذیبی تشخص اور قومی تشخص کے زُمرے میں ایک دوسرے سے خاصے قریب ہیں۔" (۱۱)

اقبال اور ابوالکلام آزاد دونوں اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ انسان بندہ ہونے کے باوجود صفات الٰہی کا حامل ہے۔ انسان میں روح پھونکنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسانی جسم میں زندگی کی لہر دوڑ گئی، بلکہ اللہ پاک نے اپنی ذات کا پرتو حضرت آدم پر ڈال دیا۔ اقبال لکھتے ہیں:

عروجِ آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک
یہی زمانہ حاضرِ کی کائنات ہے کیا
دماغ روشن و دل تیرہ و نِگہ بے باک (۱۲)

اقبال مزید لکھتے ہیں:

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے (۱۳)

اس کائنات کی تخلیق اور اللہ پاک کے وجود کے حوالے سے دونوں مفکرین اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ دونوں اس پر بات یقین رکھتے ہیں کہ اس کائنات کا تخلیق کار ایک ہے، وہی ایک خدا ہے اس ساری کائنات کے نظام کو انتہائی سلیقے اور نظم و ضبط کے ساتھ چلا رہا ہے۔ اس طرح فطری طور پر اس کی مخلوق کو بھی ایک ہونا چاہیے۔ علامہ اقبال کے مطابق اس کائنات کی وحدت ایک ہے۔ انسان حیاتیاتی طور پر اس کائنات کا حصہ تصور کیا جاتا ہے۔ ان کے مطابق انسانی وحدت کا نظریہ اسلام نے دیا ہے اور اس نظریہ کی بنا روحانی تصور کائنات اور فرد کی قدر و قیمت پر انحصار کرتی ہے۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے آغاز سے پہلے انسانوں میں توانا و کمزور، بندہ و آقا وار امیر و غریب میں تفریق قائم تھی۔ یہاں تک کہ زیر

دست اور غلام اپنے حقوق سے عاری تھے۔ وہ معاشرہ اخلاقی، تہذیبی، سماجی اور علمی و ادبی لحاظ سے انتہائی گراوٹ کا شکار تھا لیکن اسلام نے سماجی انقلاب برپا کر دیا انسان کو درست مقام و مرتبہ سے آگاہ کیا۔ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی اور انسانیت کے عظیم و ہمہ گیر روحانی رشتے سے آگاہ کیا۔

علامہ اقبال اور آزاد واضح کرتے ہیں کہ وسیع تر انسانی معاشرہ اپنی وحدت کی بنیاد پر عالمی اخوت کا مظاہرہ کرے۔ جب اس کائنات کا تخلیق کار ایک ہے، اصل حیات ایک ہے تو بنی نوع انسان کو بھی ایک ہونا چاہیے۔ اقبال بنی نوع انسان کو رنگ و خون کے رشتوں سے بلند کر کے ایک نوع انسانی سے وابستہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ علامہ اقبال کے مطابق:

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہان گیری، محبت کی فراوانی
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی (۱۴)

علامہ اقبال اور ابوالکلام آزاد دونوں نہ صرف مروجہ تصوف پر تنقید کرتے تھے بلکہ مروجہ تصوف کو مسلمانوں کے انحطاط کا ذمہ دار قرار دیتے تھے۔ جب دونوں کی تعلیم و تربیت ایک مذہبی ماحول میں ہوئی۔ دونوں مفکرین نے تقلید کے بجائے تحقیق کا راستہ اختیار کیا۔ بنیادی طور پر اس عہد کے تصوف میں کچھ غیر اسلامی تصورات سرایت کر چکے تھے جن کے باعث مسلمان بے عملی اور کاہلی کے شکار ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں نے اس عہد کے تصوف پر کڑی تنقید کی۔ علامہ اقبال تصوف کے پیش نظر اپنے چھٹے خطبے "الاجتہاد فی الاسلام" میں لکھتے ہیں:

"یہ صورت حال تھی جس میں مسلمانوں کے بہترین دل و دماغ تصوف کی طرف کھنچنے لگے اور بالآخر اس میں جذب ہو کر رہ گئے۔ اسلامی ریاست کی باگ ڈور اب متوسط درجے کے افراد، یا بے علم عوام کے ہاتھوں میں تھی۔۔۔ تا آنکہ ایسا کوئی باہمت اور اولوالعزم انسان باقی نہ رہا جو ان کی راہ نمائی کرتا۔ لہٰذا انھیں اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ مذاہبِ فقر کی اندھا دھند تقلید کرتے چلے جائیں۔" (۱۵)

اصل میں جب علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے عہد میں اسلام اور مسلمانوں کی حالتِ زار پر غور و فکر کیا تو انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حقیقیت سے فرار کی تعلیم نے مسلمانوں کی وُقعت کو فنا کر کے رکھ دیا۔ مسلمانوں کا یہ طریقہ کار قرآن و احادیث کی تعلیم کے منافی تھا۔ وہ مسلمانوں کے زوال کا زمانہ تھا، جس میں مسلمان فنون لطیفہ، ادبیات اور زندگی سے تعلق رکھنے والے دیگر شعبہ جات میں زوال کا شکار ہو گئے۔ مسلمان بے عملی کا شکار ہو گئے اور صرف نام کے مسلمان تھے۔ مولانا آزاد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"ایک بڑی مصیبت جو مسلمانوں پر نازل ہوئی۔ تصوف کے علم و عمل کے تنزل اور جہل و فسق کی کثافتوں سے اس جوہر پاک کا امتزاج اور اہل اصلاح و طہارت کی جگہ خانقاہوں صومعوں کی عمارتوں کی حکومت کا قائم ہو جانا ہے۔ (۱۶)"

تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے علم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد ان مفکرین میں سے ہیں جو اپنی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔ ان دونوں کی نگاہیں زندگی کے ہر پہلو پر مرکوز رہیں۔ انھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے بے انتہا جد جہد اور محنت کی۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ مسلمانوں کی ترقی اور فلاح کے تمام تر امکانات صرف تعلیم کے حصول کے

ساتھ وابستہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ دونوں نے مشرق و مغرب کے تعلیمی اداروں سے استفادہ کرنے پر زور دیا۔علامہ اقبال مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح مشرق و مغرب سے تعلیم کے حصول کے قائل تھے۔مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال اگرچہ مشرق و مغرب کے تعلیمی طریقہ کار کو ہم آہنگ کر کے ایک نئی قسم کی تعلیم کو فروغ دینا چاہتے تھے تا کہ لوگ ترقی کی نئی منزلوں پر پہنچ سکیں۔اس نوآبادیاتی دور میں تعلیم کو ملازمت سے مربوط کر دیا گیا اور مسلمانوں کے خلاف غلامی کی ایک نئی تدبیر منظر عام پر آگئی۔علامہ اقبال اس طرز عمل کے سخت خلاف تھے یہی وجہ ہے کہ وہ اس نظام تعلیم پر گہری نظر رکھتے تھے۔اقبال لکھتے ہیں:

یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روارَو
اس عیشِ فراواں میں ہے ہر لحظہ غمِ نَو
وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کفِ جَو(۱۷)

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اس چیز کو شدت سے محسوس کیا۔وہ اس بات سے واقف تھے کہ برطانوی نظام تعلیم نے برصغیر کی نسل نو کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ایک غلامی کا صدمہ تھا اور دوسرا علیحد گی پسندی۔مولانا کے نزدیک اس زہر کو جو انگریز قوم نے نوجوان نسل کے ذہن میں ڈال دیا تھا وہ نکالنا ضروری تھا۔یہی وجہ ہے کہ آزادی کے بعد تعلیمی مقاصد میں غلامی کی جگہ آزادی، تعصب کی جگہ مذہبی رواداری اور مغربیت پر فخر کرنے کی جگہ اپنے ماضی کے ورثے کو شامل کیا گیا۔مظفر حسین غزالی، مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”اب تک تعلیم پر ہمارا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔اس پر غیر ملکی حکومت کا قبضہ تھا۔جو کچھ انھوں نے پڑھایا ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن جس طرح پڑھایا، اس نے ہمارے ذہنوں کو بجائے کھولنے کے بند کر دیا۔“ (۱۸)

غرض اقبال اور آزاد دونوں کے تعلیمی تصورات میں جو مغائرت ہے وہ یہ ہے کہ آزاد کو نہ صرف کابینہ میں بہ حیثیت وزیر تعلیم کے فرائض سرانجام دینے کا موقع ملا بلکہ تعلیم کے میدان میں عملی طور پر بھی کئی کارنامے سرانجام دینے کا موقع بھی ملا۔

علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد دونوں اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ فرد کی شخصیت اجتماعی ماحول کے بغیر آب و تاب حاصل نہیں کر سکتی۔اصل میں زندگی کا انفرادی و اجتماعی پہلو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں انھیں کسی طور پر بھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فرد کی ذہنی زندگی کا انحصار اجتماعی زندگی اور دوسرے انسانوں کے تعاون سے ہی ممکن ہے۔لہٰذا اس تناظر میں دیکھا جائے تو دونوں نے اجتماعی زندگی کو ترجیح دی۔اقبال کے مطابق:

” فرد فی نفسہ ایک ہستی اعتباری ہے یا یوں کہیے کہ اس کا نام ان مجرداتِ عقیلیہ کی قبیل سے ہے جن کا حوالہ دے کر عمرانیات کے مباحث کے سمجھنے میں آسانی پیدا کر دی جاتی ہے۔بالفاظ دیگر فرد اس جماعت کی زندگی میں جس کے ساتھ اس کا تعلق ہے بمنزلہ ایک عارضی اور فانی لمحے کے ہے۔اس کے خیالات، اس کی تمنائیں، اس کا طرز ماند و بود، اس کے جملہ قوائے دماغی و جسمانی بلکہ اس کے ایام زندگی کی تعداد تک اس جماعت کی ضروریات و حوائج کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے جس کی حیاتِ اجتماعی کا وہ محض ایک جزوی مظہر ہے۔فرد افعال کی

حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ بر سبیل اضطرار و بلا ارادہ کسی ایک خاص کام کو جو جماعت کے نظام نے اُس کے سپرد کیا ہے انجام دیتا ہے۔" (۱۹)

فرد اور جماعت کے حوالے سے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جس طرح عناصر کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ باہم دگر مل کر ایک نئے مرکب وجود میں متشکل ہوں اور افراد انسانی کو بھی اس لیے پیدا کیا تاکہ ان کے باہم ملنے سے جماعت پیدا ہو، جماعت ایک مرکب وجود ہے ۔افراد اس کے عناصر ہیں۔ فرد بجائے خود کوئی کامل وجود نہیں رکھتا۔" (۲۰)

اصل میں فرد کی شخصیت اجتماعی ماحول میں پنپتی اور نشو و نما پاتی ہے اور اس کا مکمل اظہار جماعت ہی سے ممکن ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے دو رخ ہیں ایک طرف ہم انفرادی مقاصد کے حصول کے لیے سعی کرتے ہیں اور دوسری طرف عالمگیر مقاصد تک جماعتی زندگی کے توسط سے ہی پہنچتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اقبال کا خودی کا تصور اور بے خودی یا اجتماعیت کا تصور بھی اسلامی تعلیم سے ماخوذ ہے۔ علامہ اقبال کے اجتماعی فلسفے کا ردعمل یہ ہے کہ انسان آئین ملت کے مطابق عمل کرکے اور خودی سے گزر کر انسانیت کے اعلیٰ مقاصد کے لیے اپنی جان کھپا دے۔ اقبال کے مطابق:

آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی، دُنیا میں رسوا تُو ہوا
فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں (۲۱)

علامہ اقبال اور ابوالکلام آزاد دونوں انقلابی ذہن کے مالک تھے اور قرآن کی رو سے اس حقیقت کے قائل تھے کہ اس دنیا میں کوئی بھی قوم اس وقت تک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی جب تک وہ خود اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتی۔ لہٰذا دونوں اس پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ مسلم اقوام کو اپنے طرز عمل اور اعمال میں مثبت تبدیلی لانی چاہیے۔ اقبال اور آزاد دونوں مذہب اسلام کی صداقت کا اعتراف حقائق کے تناظر میں کرتے ہیں۔ تقلید کے بجائے تحقیق دونوں کے مزاج میں شامل ہے۔ اقبال اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"مجھے اس کا اعتراف کرنے میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک عرصے تک ایسے عقائد و مسائل کا قائل رہا جو بعض صوفیا کے ساتھ خاص ہیں اور جو بعد میں قرآن شریف پر تدبر کرنے سے قطعاً غیر اسلامی ثابت ہوئے۔" (۲۲)

اقبال بانگ درا میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

تقلید کی روِش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ، خِضر کا سودا بھی چھوڑ دے
مانندِ خامہ تیری زبان پر ہے حرفِ غیر
بے گانہ شے پہ نازشِ بے جا بھی چھوڑ دے (۲۳)

مولانا ابوالکلام آزاد تقلید سے انحراف "الہلال" میں یوں کرتے ہیں:

"ہر اصلاحی تحریک و دعوت کے لیے پہلی منزل تقلید کی بندشوں کو توڑنا ہے کیوں کہ تقلید کے اہر من سے بڑھ کر انسان کی تمام یزدانی خصائل کا اور کوئی دشمن نہیں۔ انسانی اعمال کی جس قدر گمراہیاں ہیں ان سب کی تخم ریزی صرف تقلید ہی کی زمین میں ہوئی ہے۔ تقلید سے پہلی ہلاکت جو انسانی دماغ پر چھا جاتی ہے وہ یہی ہے کہ انسان اپنے چند پیشواؤں اور مقتداؤں کی تعلیم یا آباواجداد کے طریق ورسوم پر اپنے تئیں چھوڑ دیتا ہے اور صرف انھیں کا تعبد کرتے کرتے خود اپنی قوتوں سے کام لینا بھول جاتا ہے۔" (۲۴)

علامہ اقبال اور ابوالکلام آزاد عازم وفاتح یا اقبال کی اصلاح میں قلندر وقت کا غلام نہیں ہوتا بلکہ وقت اس کا غلام ہوتا ہے اور وقت اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ دونوں مفکریں کے نزدیک قلندر وقت کا خالق ہوتا ہے اور اپنا جہاں آپ پیدا کرتا ہے۔ وہ زمانے کے حکم پر نہیں چلتا بلکہ زمانے کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے۔ ابوالکلام آزاد "تذکرہ" میں لکھتا ہے:

"بڑوں بڑوں کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا اور سروسامان اور اسبابِ کار فراہم نہیں کرتا، لیکن وقت عازم وفاتح اٹھتا ہے اور کہتا کہ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اس کو ساتھ لے لوں گا" (۲۵)

مولانا ابوالکلام آزاد کے خیالات بھی علامہ اقبال کے یہاں اپنی شان وشوکت اور آب وتاب کے ساتھ ملتے ہیں:

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرد
جاتا ہے جدھر بندۂ حق تو بھی ادھر جا!
میں کشتی وملاح کا محتاج نہ ہوں گا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا
مہرومہ وانجم کا محاسب ہے قلندر!
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر! (۲۶)

مختصر یہ کہ علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد یہاں بعض ضمنی اختلافات یا مغائرت سے قطع نظر ان کے ہاں جو فکری یا نظریاتی مماثل صورتیں ملتی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ دونوں نے کتاب الہیٰ سے بھرپور استفادہ کیا۔ دونوں نے خودی کی تشریح کرنے کے لیے مشترکہ اصطلاحات اور یہاں تک کہ الفاظ بھی مشترکہ استعمال کیے۔ اقبال اور آزاد دونوں مفکرین کے تصور خودی کا تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی حقیقت کی مصوری کرتے ہیں۔ اس حیرت انگیز قربت کی بنا پر ایک انسانیت کے قلب کو گرماتا ہے تو دوسرا انسان کی روح کو تڑپا دیتا ہے۔ اقبال نے فطرت کو جس طرح قوت سے تسخیر کیا ہے اسی طرح آزاد نے فطرت کو مسحور کیا ہے۔ دونوں کے افکار و خیالات اور تصورات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دونوں اسلامی روح کے سچے عکاس ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، مسائلِ اقبال (لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۷۴ء)، ص ۲۲۲۔

۲۔ غلام مصطفےٰ خان، ڈاکٹر، قرآن اور اقبال (لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۶ء)، ص ۳۴۔

۳۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء)، ص ۳۱۰۔

۴۔ ایضا، ص ۳۵۵۔

۵۔ ابوالکلام آزاد، تذکرہ (نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۱۹۷۵ء)، ص ۳۱۸۔

۶۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ''ابوالکلام: امامِ عشق و جنوں''، مشمولہ آئینہ ابوالکلام آزاد، از عتیق صدیقی (دہلی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۷۶ء)، ص ۴۶۔

۷۔ ابوالکلام آزاد، غبارِ خاطر (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۳۴۔

۸۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص ۶۳۹

۹۔ ایضاً، ص ۴۱۱۔

۱۰۔ عقیل ہاشمی، ڈاکٹر، ''ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال''، مشمولہ ماہنامہ (دربھنگہ: تمثیل نو، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۷۴ ۔

۱۱۔ آل احمد سرور، دانشورِ اقبال (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۷۔

۱۲۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص ۳۹۴۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۹۴۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۰۰۔

۱۵۔ نذیر نیازی، سید، تشکیل جدید الہیاتِ اسلامیہ (نئی دہلی: اسلامی بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۲ء)، ص: ۲۵۲۔۲۵۴۔

۱۶۔ ابوالکلام آزاد، تذکرہ، ص ۲۶۰۔

۱۷۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص ۶۷۸ ۔

۱۸۔ مظفر حسین غزالی، مولانا آزاد کے تعلیمی تصورات (راجستھان: ریسرچ انسٹیٹیوٹ، ۱۹۹۸ء)، ص ۹۸۔

۱۹۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روح اقبال (لاہور: القمر انٹر پرائز، ۱۹۹۶ء)، ص ۲۱۱۔۲۱۲۔

۲۰۔ مولانا آزاد، قرآن کا قانونِ عروج و زوال (نئی دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء)، ص ۷۰۔

۲۱۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص ۲۱۷۔

۲۲۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، ''اقبال اور ابوالکلام آزاد''، مشمولہ نقوش (لاہور: ادبی معرکہ نمبر، جلد ۲)، ص ۲۴۰۔

۲۳۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص ۱۳۳۔

۲۴۔ ابوالکلام آزاد، ''صبح اُمید''، مشمولہ الہلال (دہلی: ۲۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)، ص ۲۲۰۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔

۲۶۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص ۵۵۴

References:

1- Syed Abdullah, Dr., Masail-e-Iqbal (Lahore: Maghrabi Pakistan Urdu Academy,1974),P.222.
2- Ghulam Mustafa Khan, Dr., Quran aur Iqbal(Lahore: Iqbal Academy, 2016), P.32.
3- Allama Iqbal, Kulyat-e-Iqbal(Lahore: Iqbal Academy, 2018), P.310.
4- Ibid, P.355.
5- Abu-ul-Qalam Azad, Tazkira(New Dehli ,Sahtia Academy, 1975), P.318.
6- Syed Abdullah, Dr., "Abu-ul-Qalam.Imam-e-Ishq-janoo", Mashmola Aina Abu-ul-Qalam Azad Az Ateeq Siddique (Dehli: Anjuman Taraqi Urdu,1976), P.46.
7- Abul Qalam Azad ,Ghubar-e-Khatir (Lahore: Maktaba-e-Jamal, 2010), P.134.
8- Allama Iqbal, Kulyat-e-Iqbal, P.639.
9- Ibid, P.411.
10- Aqeel Hashmi, Dr., "Abul Qalaam Azad aur Allama Iqbal", Mashmola Mahnama(Darbhanga: Tamseel-e-Naou, 2009), P.471.
11. Al Ahmad Sarror, Danish war-e-Iqbal (Aligarh: Educational Book House, 2002), P.71.
12. Allama Iqbal, Kulyat-e-Iqbal, P.394.
13. Ibid, P.394.
14. Ibid, P.300.
15. Nazir Niazi, Syed, Tashkeel-e-Jadeed Alhiyat-e-Islam (New Dehli: Isalmi Book Foundations, 2002), P.252-254.
16. Abu-ul-Qalam Azad, Tazkira, P.260.
17. Allama Iqbal, Kulyat-e-Iqbal, P.678.
18. Muzzafer Hussanin Ghazali, Moulana Azad kay Taleemi Taswarrat (Rajisthan: Research Institute,1998), P.98.
19. Yousaf Hussain Khan, Dr., Rooh Iqbal (Lahore: Al-qamar Enterprises, 1996), P.211-212.
20. Moulana Azad, Quran ka Qanoon-e-Arooj-o-Zawal (New Dehli: Aitqaad Publishig House,1988), P.70.
21. Allama Iqbal ,Kulyat-e-Iqbal, P.217.
22. Waheed Qureshi, Dr., "Iqbal Aur Abu al Kalam Azad", Mashmoola Naqoosh (Lahore: Adbi Marka Number, Jild 2), P.240.
23. Allama Iqbal, Kulyat-e-Iqbal, P.133.
24. Abu-ul-Qalam Azad, "Subha Umeed", Mashmoola Al-Halal (Dehli: 29 September 1912), P.220.
25. Ibid. P.148.
26. Allama Iqbal, Kulyat-e-Iqbal, P.554.